ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY



AIOU LIBRARY

Name:

Registration No.:

Course Code: 2951

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

کورس: تعارفِ فقہ (2951)

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ: 05تا09)

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 50

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق قواعد کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس گائیڈ کے جوابات فقہِ اسلامی کے عمومی اور مسلمہ علمی مباحث کی روشنی میں مرتب کیے گئے ہیں۔ یہ خالصتاً تعلیمی و تعارفی مطالعہ ہے؛ نکاح و طلاق، حدود و سزاؤں اور بین الاقوامی تعلقات جیسے امور میں کسی مخصوص فرد یا معاملے پر شرعی حکم کا اطلاق، فتویٰ اور فیصلہ اہلِ علم، مستند مفتیانِ کرام اور مجاز عدالتوں و ریاستوں کا کام ہے، اس گائیڈ کو اس کا متبادل نہ سمجھا جائے۔

طریقۂ کار: ہر جواب تعارف، ذیلی عنوانات کے تحت مفصل بحث، مناسب جگہ پر جدول اور اختتام پر مشتمل ہے۔ جہاں فقہاء کے درمیان مشہور اختلافی آراء ہیں وہاں انہیں علمی انداز میں بطورِ مطالعہ پیش کیا گیا ہے تاکہ طالب علم فقہ کے وسعتِ نظر سے بھی واقف ہو سکے۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

امتحانی مشق نمبر 2 یونٹ 5 تا 9 پر مشتمل ہے اور اس کا محور فقہ کے معاشرتی، عدالتی و ریاستی ابواب ہیں: نکاح و طلاق، عقوبات یعنی قانونِ سزا، قضاء و شہادت کا عدالتی نظام، کتاب السیر یعنی اسلامی بین الاقوامی قانون، اور حظر و اباحت یعنی حلال و حرام کے اصول۔ یہ سوالات دکھاتے ہیں کہ فقہ صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ خاندان، عدالت، ریاست اور روزمرہ زندگی کا مکمل ضابطہ ہے۔ اس گائیڈ میں ہر جواب مفصل، منظم انداز میں پیش کیا گیا ہے، اور جہاں فقہاء کی اختلافی آراء ہیں انہیں خالص علمی مطالعے کے طور پر بیان کیا گیا ہے؛ کسی مخصوص معاملے میں حکم کا اطلاق اہلِ علم اور مجاز ادارو ں کا کام ہے۔

سوال نمبر 1 (20 نمبر)

سوال: نکاح کے ارکان، شرائط اور محرماتِ نکاح کی وضاحت کریں، نیز طلاق کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، مشروعیت، اقسام (حسن، احسن، بدعی) اور تین طلاقوں کے شرعی حکم پر فقہی آراء تفصیل سے بیان کریں۔ (20)

تعارف

نکاح اور طلاق مناکحات کے دو مرکزی مباحث ہیں۔ نکاح خاندان کی بنیاد ہے جسے قرآن نے میثاقاً غلیظاً یعنی پختہ عہد قرار دیا اور جس سے میاں بیوی کے درمیان سکون، محبت اور رحمت پیدا ہوتی ہے۔ طلاق اسی بندھن کی آخری اور ناپسندیدہ صورتِ علیحدگی ہے جسے حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ کہا گیا ہے، مگر انسانی حالات کے پیشِ نظر اس کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس سوال میں پہلے نکاح کے ارکان، شرائط اور ان رشتوں کی وضاحت مطلوب ہے جن سے نکاح ممنوع ہے، پھر طلاق کے مفہوم، اس کی شرعی حیثیت، اس کی تین اقسام اور تین طلاقوں کے بارے میں فقہاء کی آراء بیان کرنا ہیں۔ یہ جواب خالص تعلیمی انداز میں مرتب کیا گیا ہے، کسی عملی خاندانی تنازع کا فیصلہ اس کا مقصد نہیں ہے۔

نکاح کے ارکان

نکاح ایک عقد ہے جس کا بنیادی رکن ایجاب و قبول ہے، یعنی ایک فریق مثلاً ولی یا خود عورت کی طرف سے پیشکش اور دوسرے فریق کی طرف سے اسی مجلس میں قبولیت، دو گواہوں کی موجودگی میں۔ فقہاء کی اصطلاح میں رکن وہ چیز ہے جس پر عقد کا وجود موقوف ہو، لہٰذا ایجاب و قبول نہ ہو تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ عاقدین یعنی نکاح کرنے والے مرد و عورت بھی عقد کے لازمی اجزا ہیں جن کی اہلیت شرائط میں آتی ہے۔ بعض فقہاء نے گواہوں کو رکن کے قریب درجہ دیا ہے کیونکہ ان کے بغیر نکاح کا اعلان و ثبوت ممکن نہیں رہتا، جبکہ جمہور کے نزدیک گواہی شرط ہے۔ مہر نکاح کا لازمی نتیجہ ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ رکن کی اس بحث کا عملی فائدہ یہ ہے کہ طالب علم سمجھ سکے کہ کن چیزوں کی عدم موجودگی میں نکاح سرے سے قائم ہی نہیں ہوتا اور رکن کی کمی سے وہ فاسد یا ناقابلِ عمل ہو جاتا ہے۔

نکاح کی شرائط

نکاح کی شرائط کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ انعقاد کی شرائط یہ ہیں کہ مرد و عورت دونوں عاقل و بالغ یا اہلیت رکھنے والے ہوں، مجلس ایک ہو، اور ایجاب و قبول کے الفاظ واضح ہوں۔ صحت کی شرائط میں دو عادل مسلمان مرد یا ایک مرد و دو عورت گواہوں کی موجودگی، عورت کا محرمات میں سے نہ ہونا، اور احناف کے سوا جمہور کے نزدیک عورت کے لیے ولی کی اجازت شامل ہیں۔ نفاذ و لزوم کی شرائط کا تعلق یہ ہے کہ نکاح کسی ایسے شخص کی طرف سے نہ ہو جس کا تصرف شرعاً موقوف ہو۔ کفو یعنی برابری کا اعتبار بھی فقہاء نے خاندانوں کے ہم آہنگ ماحول کے لیے زیرِ بحث رکھا ہے۔ مہر عورت کا مالی حق ہے جو نکاح سے واجب ہو جاتا ہے، اس کی کوئی زیادہ سے زیادہ حد مقرر نہیں اور کم سے کم مقدار میں فقہاء کی آراء منقول ہیں۔ ان شرائط کا مجموعی مقصد یہ ہے کہ نکاح اعلانیہ، سنجیدہ اور دونوں خاندانوں کے علم و رضامندی کے ساتھ ہو تاکہ بعد کے تنازعات کی راہ بند ہو۔

محرماتِ نکاح

محرمات وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے۔ ان کی دو بڑی قسمیں ہیں: ہمیشہ کے لیے حرام اور عارضی طور پر حرام۔ دائمی محرمات کی تین بنیادیں قرآن میں سورۂ نساء کی آیت میں بیان ہوئی ہیں۔ نسب کی بنا پر ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی حرام ہیں۔ رضاعت یعنی دودھ کے رشتے کی بنا پر رضاعی ماں اور رضاعی بہن وغیرہ حرام ہیں، بشرطیکہ رضاعت کی شرعی شرائط پوری ہوں۔ مصاہرت یعنی سسرالی رشتے کی بنا پر بیوی کی ماں، سوتیلی بیٹی جس کی ماں سے صحبت ہو چکی ہو، بیٹے کی بیوی اور سوتیلی ماں حرام ہیں۔ عارضی محرمات میں دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا، کسی کی منکوحہ یا عدت میں موجود عورت سے نکاح، اور پانچویں بیوی کا موجودہ چار بیویوں کے ہوتے ہوئے نکاح شامل ہیں۔ یہ پابندیاں رشتوں کے تقدس، خاندانی نظام کے استحکام اور اخلاقی تحفظ کے لیے ہیں۔

طلاق کا مفہوم اور مشروعیت

طلاق کے لغوی معنی کھولنے اور چھوڑنے کے ہیں۔ اصطلاح میں مخصوص الفاظ یا ان کے قائم مقام اشارے سے نکاح کے بندھن کو شرعی طریقے کے مطابق ختم کرنا طلاق کہلاتا ہے۔ اس کی مشروعیت قرآن و سنت سے ثابت ہے؛ سورۂ بقرہ اور سورۂ طلاق میں اس کے پورے ضابطے بیان ہوئے ہیں، جن میں رجوع، عدت، خرچ اور بچوں کے حقوق تک شامل ہیں۔ اس کے باوجود طلاق کو پسندیدہ عمل نہیں کہا گیا بلکہ یہ اس دوا کی مانند ہے جو مرض کے آخری درجے میں دی جاتی ہے۔ اسی لیے شریعت نے نکاح ٹوٹنے سے پہلے باہمی اصلاح، خاندانی ثالثی یعنی حکم مقرر کرنے اور مرحلہ وار وقفے کا نظام رکھا ہے۔ پاکستان سمیت اکثر مسلم ممالک میں طلاق کا قانونی طریقہ کار بھی موجود ہے اور اس کا اطلاق عدالتوں و متعلقہ اداروں کے ذریعے ہوتا ہے، یہاں مقصود صرف فقہی تصور کی تعلیمی وضاحت ہے۔

جدول: طلاق کی اقسام (طریقے کے اعتبار سے)

قسم	طریقہ	حکم / نتیجہ
طلاقِ احسن	طہر میں ایک طلاق جس میں صحبت نہ ہوئی ہو، پھر	سب سے بہتر طریقہ؛ عدت میں رجوع ممکن

	عدت میں چھوڑ دینا	
سنت کے مطابق؛ تیسری پر بینونتِ کبریٰ	تین الگ الگ طہروں میں ایک ایک طلاق	طلاقِ حسن
گنہگار ہونا؛ وقوع میں فقہی بحث	ایک مجلس میں تین طلاقیں، یا حیض میں، یا صحبت والے طہر میں طلاق	طلاقِ بدعی

طلاق کی اقسام: احسن، حسن اور بدعی

طریقہ کار کے اعتبار سے طلاق کی تین مشہور قسمیں ہیں۔ طلاقِ احسن سب سے افضل صورت ہے: شوہر بیوی کو ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں اس سے صحبت نہ ہوئی ہو اور پھر عدت گزرنے تک اسے چھوڑ دے؛ اس مدت میں رجوع بھی ممکن رہتا ہے۔ طلاقِ حسن یہ ہے کہ تین طلاقیں تین الگ طہروں میں دی جائیں، ہر طہر میں ایک۔ طلاقِ بدعی اس کے خلاف صورت ہے، مثلاً ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دینا، یا حالتِ حیض میں طلاق دینا، یا اس طہر میں طلاق دینا جس میں صحبت ہو چکی ہو۔ بدعی طریقہ اختیار کرنے والے کو فقہاء نے گناہ کا مرتکب قرار دیا ہے، البتہ اس کے باوجود طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں اور کتنی واقع ہوتی ہے، اس پر اگلی بحث آ رہی ہے۔ اثر کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں بھی اہم ہیں: رجعی جس میں عدت کے اندر رجوع ہو سکتا ہے، اور بائن جس میں نیا نکاح کیے بغیر رجوع نہیں ہوتا۔

تین طلاقوں کے شرعی حکم پر فقہی آراء

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے حکم میں فقہاء کی دو مشہور آراء منقول ہیں اور طالب علم کو دونوں کا علمی احترام کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے۔ جمہور فقہاء، جن میں ائمہ اربعہ شامل ہیں، کی رائے یہ ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دی جائیں تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں اور عورت بینونتِ کبریٰ کے ساتھ جدا ہو جاتی ہے، جس کے بعد حلالے کے بغیر اسی شوہر سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ ان کے دلائل میں قرآن کی ظاہری ترتیب، عہدِ فاروقی کا معروف تعزیری نفاذ اور امت کا عملی تسلسل پیش کیا جاتا ہے، اور عہدِ نبوی و صدیقی میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کی روایت کو وہ ابتدائی دور یا خاص حالات سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ دوسری رائے، جو بعض صحابہ و تابعین کی طرف

منسوب روایات اور امام ابن تیمیہ و امام ابن قیم رحمہا اللہ جیسے محققین سے منقول ہے، یہ ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شمار ہوں گی۔ یہ ایک خالص علمی و تاریخی بحث ہے؛ کسی مخصوص خاندانی معاملے میں کون سی رائے پر عمل ہو گا، اس کا فیصلہ اہلِ فتویٰ اور مجاز عدالتیں ملکی قانون اور حالات کے مطابق کرتی ہیں، طالب علم کے لیے اس کو نصابی مطالعے تک محدود رکھنا ہی درست طریقہ ہے۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ نکاح کا رکن ایجاب و قبول ہے، اس کی شرائط اہلیت، گواہی اور محرمات سے خلوص کو یقینی بناتی ہیں، اور محرمات دائمی و عارضی دو قسم کی ہیں۔ طلاق ناپسندیدہ مگر مشروع آخری حل ہے، اس کا سنت طریقہ احسن و حسن ہے جبکہ بدعی طریقہ گناہ ہے، اور ایک نشست کی تین طلاقوں میں جمہور اور دیگر محققین کی آراء منقول ہیں۔ اس مطالعے کا پیغام یہ ہے کہ شریعت خاندان کو جوڑنے کو اصل اور توڑنے کو استثناء قرار دیتی ہے۔

سوال نمبر 2 (20 نمبر)

سوال: فقہِ اسلامی میں "عقوبات" (قانونِ سزا) کا تعارف اور فلسفہ بیان کریں، نیز قصاص، دیت اور حدود (زنا، قذف، سرقہ اور شربِ خمر) کے شرعی احکام و شرائط کی تفصیلی وضاحت کریں۔ (20)

تعارف

عقوبات فقہِ اسلامی کا وہ شعبہ ہے جو جرائم اور ان کی سزاؤں سے بحث کرتا ہے۔ ہر منظم معاشرے کو امن کے لیے قانونِ سزا درکار ہوتا ہے، مگر اسلامی قانونِ سزا کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سزا کو انتقام کے بجائے اصلاح، عبرت اور انسانی جان و مال و عزت کے تحفظ کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اس سوال میں عقوبات کا تعارف اور اس کا فلسفہ بیان کرنا

ہے اور پھر قصاص، دیت اور چار حدود یعنی زنا، قذف، سرقہ اور شربِ خمر کے احکام و شرائط کی تفصیل مطلوب ہے۔ یہ تمام بحث خالص تعلیمی ہے؛ تاریخِ اسلام میں بھی سزاؤں کا نفاذ ہمیشہ قاضی و حکومت کا کام رہا ہے اور ثبوت کے سخت ترین معیارات اس نظام کی روح ہیں، کسی فرد کو از خود سزا دینے کا کوئی اختیار نہیں۔

عقوبات کا تعارف اور اقسام

عقوبت کے لغوی معنی سزا اور بدلے کے ہیں۔ اصطلاح میں وہ سزا مقصود ہے جو کسی جرم کے ارتکاب پر شرع یا مجاز ریاست کی طرف سے مقرر ہو۔ فقہاء اسے تین بڑی قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی حدود ہیں، یعنی وہ سزائیں جن کی مقدار و کیفیت نص سے مقرر ہے اور جن میں کمی بیشی کا اختیار کسی کو نہیں۔ دوسری قصاص و دیت ہیں، جن کا تعلق جسم و جان کے خلاف جرائم سے ہے اور جن میں متاثرہ فریق کے معاف کرنے یا دیت قبول کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ تیسری تعزیر ہے، یعنی وہ سزائیں جو ان جرائم پر دی جاتی ہیں جن کی حد یا کفارہ مقرر نہیں، اور ان کی نوعیت و مقدار قاضی و ریاست کی صوابدید پر موقوف ہوتی ہے تاکہ زمانے و حالات کے مطابق اصلاح ہو سکے۔ اس تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانونِ سزا جامد نہیں بلکہ مقررہ اصولوں کے اندر لچک بھی رکھتا ہے۔

عقوبات کا فلسفہ

اسلامی سزاؤں کا فلسفہ مقاصدِ شریعت پر کھڑا ہے، یعنی دین، جان، عقل، نسل اور مال کا تحفظ۔ ان مقاصد کے تحفظ کے لیے قانون میں تین اصول کارفرما ہیں۔ پہلا زجر و روک تھام ہے، یعنی سزا ایسی عبرتناک ہو کہ مجرم دوبارہ جرم نہ کرے اور دوسرے بھی سبق لیں؛ اس پہلو کو قرآن نے قصاص کے بارے میں حیات سے تعبیر کیا ہے کہ قصاص میں اجتماعی زندگی کی بقا ہے۔ دوسرا اصلاح و عدل ہے، سزا جرم کے تناسب سے ہو، نہ اس سے زیادہ ظلم ہو اور نہ اتنی نرمی کہ جرم کی حوصلہ افزائی ہو۔ تیسرا اصول احتیاط و شبہات ہے: حدود شبہات کی موجودگی میں ساقط ہو جاتی ہیں، اس مشہور قاعدے نے سزا کے نفاذ کو انتہائی محتاط بنا دیا ہے، حتیٰ کہ فقہاء نے کہا ہے کہ حاکم کا سزا میں چھوٹ جانے کی خطا کرنا سزا دے دینے کی خطا سے بہتر ہے۔ اسی فلسفے کے تحت توبہ، معافی اور صلح کو بھی نظام میں جگہ دی گئی ہے، مثلاً قصاص میں اولیاء کا معاف کرنا قرآن کی پسندیدہ صورت ہے۔

قصاص اور دیت کے احکام

قصاص کے معنی برابری کے بدلے کے ہیں۔ قتلِ عمد اور عمداً عضو تلف کرنے کی صورت میں شرعاً قصاص کا حق متاثرہ کے اولیاء کو حاصل ہوتا ہے کہ مجرم سے اسی جیسا بدلہ لیا جائے، مگر یہ حق بھی عدالت کے فیصلے اور ریاست کے نفاذ سے مشروط ہے۔ اس کی بڑی شرائط میں قاتل کا عاقل و بالغ ہونا، قتل کا عمداً ہونا، اور مقتول کا معصوم الدم ہونا شامل ہیں۔ اولیاء کے پاس تین راستے رکھے گئے ہیں: قصاص کا مطالبہ، دیت قبول کر کے معاف کرنا، یا بلا عوض معاف کر دینا جس کی قرآن میں ترغیب آئی ہے۔ دیت اس مالی بدلے کو کہتے ہیں جو قتلِ خطا یا شبہ عمد وغیرہ کی صورت میں یا اولیاء کی رضامندی پر دیا جاتا ہے، اس کی مشہور مقدار سو اونٹوں کے برابر رکھی گئی ہے جسے فقہاء سونے چاندی کی قیمتوں میں بھی بیان کرتے ہیں۔ قتلِ خطا میں دیت کے ساتھ کفارہ بھی لازم آتا ہے۔ ان احکام کا مقصد خون خرابے کے سلسلے کو روکنا اور ثار یعنی انتقامی کشمکش کو قانونی دائرۃ میں لانا تھا، جو قبائلی معاشرے میں ایک عظیم اصلاح تھی۔

جدول: حدود کا خلاصہ (تعلیمی جائزہ)

حد	موضوع	ثبوت کا معیار (عمومی اصول)
زنا	بدکاری کا جرم	چار عادل گواہ یا اقرار؛ شبہ پر حد ساقط
قذف	پاکدامن پر زنا کی جھوٹی تہمت	دو گواہ / اقرار؛ حد ثابت ہونے پر مخصوص سزا
سرقہ	محفوظ جگہ سے نصاب بھر چوری	نصاب، حرز اور عدمِ شبہ کی شرائط
شربِ خمر	نشہ آور شراب پینا	اقرار یا گواہی؛ نشے کی علت پر بحث

حدِ زنا اور حدِ قذف

حدِ زنا سے متعلق نصوص نے اس جرم کی سنگینی اور اس کے ثبوت کی دشواری کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ ثبوت کے لیے چار عادل مرد گواہوں کی ایسی گواہی درکار رکھی گئی ہے جو واقعے کو صریح طور پر دیکھنے پر مبنی ہو، یا خود مجرم کا بار بار اقرار ہو؛ ذرا سا شبہ بھی حد کو ساقط کر دیتا ہے۔ سزا کی نوعیت محصن اور غیر محصن کے فرق سے بیان کی جاتی ہے جس کی شرح نصابی کتاب میں موجود ہے؛ یہاں اہم نکتہ یہ ہے کہ ایسے سخت معیار کا سبب یہ حد معاشرے میں خوف و حدود شناسی پیدا کرنے کا ذریعہ رہی، اس کے نفاذ کی مثالیں تاریخ میں کم ہی ملتی ہیں۔ حدِ قذف اسی نظام کا تکمیلی حصہ ہے: جو شخص کسی پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہ نہ لا سکے تو اس پر اسی کوڑوں کی حد مقرر ہے اور اس کی گواہی آئندہ قبول نہیں کی جاتی جب تک توبہ و اصلاح نہ کرے۔ اس سے عزتِ نفس کا تحفظ اور دوسرے کو افواہوں و تہمتوں سے پاک رکھنا مقصود ہے۔ فقہاء نے لعان کے خصوصی طریقہ کار سمیت ان مباحث کی طویل تفصیلات لکھی ہیں جن کا مطالعہ نصابی یونٹ سے کرنا چاہیے۔

حدِ سرقہ اور حدِ شربِ خمر

حدِ سرقہ چوری کے اس جرم پر ہے جس میں متعدد شرائط جمع ہوں: چور عاقل و بالغ ہو، مال نصاب کی مقدار کو پہنچے، مال محفوظ جگہ یعنی حرز سے لیا گیا ہو، چوری خفیہ طور پر ہو، اور ملکیت میں کوئی شبہ نہ ہو۔ یہی سبب ہے کہ قحط سالی میں ضرورت کی چوری، والد کا اولاد کے مال سے لینا یا مشترکہ مال سے حصہ لینا جیسی صورتوں میں شبہ کی بنا پر حد ساقط ہو جاتی ہے، البتہ تعزیری کارروائی اور مال کی واپسی کا مسئلہ الگ رہتا ہے۔ سزا کی تفصیل اور پہلی و دوسری مرتبہ کا فرق نصوص و فقہ کی کتب میں موجود ہے۔ حدِ شربِ خمر نشہ آور شراب پینے پر ہے؛ خمر کی حرمت قرآن میں تدریجاً قطعی ہوئی اور علتِ حرمت نشہ قرار پائی، اسی علت پر فقہاء نے دیگر نشہ آور اشیاء کے احکام قیاس کیے ہیں۔ اس حد کی مقدار میں صحابہ کے عمل کی روشنی میں فقہاء اسی اور چالیس کوڑوں کی آراء بیان کرتے ہیں۔ ان تمام حدود کی مشترک شرط یہ ہے کہ نفاذ صرف شرعی عدالت و حکومت کے ذریعے ہو اور شبہ کی صورت میں حد روک دی جائے۔

اختتام

مختصر یہ کہ عقوبات کا نظام حدود، قصاص و دیت اور تعزیر پر مشتمل ہے اور اس کا فلسفہ جان، مال، عزت، نسل اور عقل کا تحفظ، زجر و اصلاح اور شبہ پر حد کا سقوط ہے۔ قصاص میں معافی کو فضیلت دی گئی اور حدود میں ثبوت کے معیار کو تنگ رکھے گئے کہ یہ نظام سزا سے زیادہ قانون کی حرمت اور معاشرے کی تربیت کا نظام بن گیا۔ طالب علم کو یہ بات ہمیشہ واضح رکھنی چاہیے کہ یہ مباحث تعلیمی ہیں اور ان کا عملی اطلاق ہر دور میں مجاز عدالتوں و حکومتوں ہی کے دائرے میں رہا ہے۔

سوال نمبر 3 (20 نمبر)

سوال: اسلامی عدالتی نظام (مخاصمات) میں قاضی کی اہلیت، آدابِ قضاء اور فیصلے کے بنیادی اصول بیان کریں، نیز شہادت (گواہی) کی شرائط، نصاب اور دعویٰ و اثبات کے فقہی طریقہ کار پر تفصیلی روشنی ڈالیں۔ (20)

تعارف

عدل و انصاف کسی بھی مہذب معاشرے کی روح ہے اور اسلام نے اسے ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے، گواہی کو اللہ کے لیے قائم کرنے اور خواہشات کی پیروی سے بچنے کے واضح احکام آئے ہیں۔ فقہ کے ابوابِ مخاصمات اسی عدالتی نظام کی تفصیل ہیں جن میں کتاب القضاء، کتاب الشہادات اور کتاب الدعویٰ شہرت رکھتے ہیں۔ اس سوال میں دو مباحث مطلوب ہیں: قاضی کی اہلیت، اس کے آداب اور فیصلے کے اصول؛ اور شہادت کی شرائط، اس کا نصاب اور دعویٰ و اثبات کا طریقہ کار۔ یہ مباحث آج کے عدالتی نظام کو سمجھنے کے لیے بھی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، کیونکہ جدید قوانینِ شہادت کی کئی اصطلاحات مثلاً مدعی، مدعا علیہ، بیّنہ اور اقرار اسی فقہی روایت سے آئی ہیں۔

قاضی کی اہلیت

قاضی اس شخص کو کہتے ہیں جسے ریاست کی طرف سے لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔ اس کی اہلیت کی شرائط میں مسلمان، بالغ، عاقل، آزاد اور عادل ہونا شامل ہیں۔ عدالت سے مراد دیانت و پرہیز گاری ہے، یعنی قاضی فسق و بد دیانتی سے خالی ہو۔ اس کے علاوہ قاضی کے لیے فقہ و قانون کا علم ضروری سمجھا گیا ہے؛ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مجتہد ہونا افضل ہے مگر اہلِ علم سے مشورہ کرنے والا عالم بھی مقرر ہو سکتا ہے، جبکہ دیگر ائمہ نے اجتہاد کو زیادہ سخت شرط کے طور پر بیان کیا ہے۔ قاضی کا حواس کے اعتبار سے سننے و دیکھنے کی صلاحیت رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ فریقین کی بات اور گواہوں کے بیان درست سمجھ سکے۔ عورت کی قضاء کے دائرے میں فقہاء کی آراء میں فرق منقول ہے، جس کی تفصیل نصابی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ان سخت شرائط کا مقصد یہ ہے کہ فیصلہ کرنے والا شخص علمی، اخلاقی اور ذہنی ہر لحاظ سے اس منصب کا اہل ہو۔

آدابِ قضاء

آدابِ قضاء قاضی کے طرزِ عمل کے وہ اصول ہیں جو فیصلے کو قابلِ اعتماد بناتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم دونوں فریقوں کے ساتھ مکمل برابری ہے؛ قاضی مجلس میں بیٹھنے، دیکھنے اور بات سننے میں کسی فریق کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔ قاضی غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے، کسی فریق سے ہدیہ قبول نہ کرے، فریقین میں سے کسی کے ہاں ضیافت نہ لے، اور مقدمے کے دوران تجارت و ذاتی مشغولیات سے بچے تاکہ بدگمانی پیدا نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام مشہور خط اس فن کی دستاویز ہے جس میں فیصلے کے اصول، گواہی، صلح کی اجازت اور غور و فکر کی ہدایات جمع ہیں۔ قاضی کا فیصلہ لکھوایا جانا، فریقین کو بولنے کا پورا موقع دینا اور فیصلے کی بنیاد صرف پیش کردہ دلائل پر رکھنا بھی ان آداب میں شامل ہے۔ یہ آداب بتاتے ہیں کہ اسلامی قضاء محض اختیار کا نام نہیں بلکہ امانت و احتیاط کا نام ہے۔

فیصلے کے بنیادی اصول

قاضی کے فیصلے کے چند بنیادی اصول مقرر ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ فیصلہ قرآن وسنت اور قانون کی نصوص کے مطابق ہو اور قاضی کی ذاتی خواہش یا تعصب اس میں شامل نہ ہو۔ دوسرا اصول مساوات وسماعت ہے: کوئی فیصلہ دوسرے فریق کو سنے بغیر نہ دیا جائے۔ تیسرا اصول دلائل کی بنیاد ہے؛ مشہور قاعدہ ہے کہ بیّنہ یعنی ثبوت پیش کرنا مدعی کے ذمے ہے اور قسم مدعا علیہ پر آتی ہے۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہری دلائل پر ہوتا ہے، باطنی حقیقت اللہ کے علم میں ہے، اسی لیے حدیث کے مفہوم میں فرمایا گیا کہ فیصلہ سنائے گئے دلائل کے مطابق ہوتا ہے اور جسے ناجائز حق مل گیا وہ آگ کا ٹکڑا ہے۔ پانچواں اصول یہ کہ اجتہادی مسائل میں قاضی کا فیصلہ اختلاف کو ختم کر دیتا ہے اور اس کا نفاذ سب پر لازم ہوتا ہے۔ چھٹا اصول صلح کی ترغیب ہے کہ قاضی فیصلے سے پہلے فریقین کو باہمی رضامندی سے تصفیے کی دعوت دے، بشرطیکہ صلح حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہ کرے۔

شہادت کی شرائط

شہادت کے معنی کسی حق کے ثبوت کے لیے قاضی کے سامنے سچائی کے ساتھ خبر دینا ہے، اور اسے شریعت نے امانت قرار دیا ہے۔ جھوٹی گواہی کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے اور سچی گواہی چھپانے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ گواہ کی شرائط میں بالغ، عاقل اور مسلمان ہونا، عدالت یعنی دین داری و مروءت کی صفت رکھنا، اور تہمت سے پاک ہونا شامل ہیں۔ تہمت سے مراد یہ ہے کہ گواہ کا اس مقدمے میں ذاتی مفاد نہ ہو، مثلاً اپنے حق میں یا اپنے قریبی رشتہ دار کے حق میں ان گواہیوں کی تفصیل فقہاء نے بیان کی ہے۔ گواہ کا واقعہ کا خود مشاہدہ یا یقینی علم ہونا بھی ضروری ہے، سنی سنائی بات گواہی نہیں بنتی الا مخصوص صورتوں میں۔ گواہی کی یہ شرائط اس لیے سخت رکھی گئی ہیں کہ عدالتی فیصلے اکثر گواہی ہی پر قائم ہوتے ہیں اور ایک جھوٹی گواہی کسی بے گناہ کا حق مار سکتی ہے۔

جدول: شہادت کا نصاب (مشہور فقہی بیان)

نصابِ شہادت	مقدمے کی نوعیت

چار عادل مرد گواہ	حدِ زنا
دو عادل مرد گواہ	دیگر حدود و قصاص
دو مرد، یا ایک مرد دو عورتیں	مالی معاملات
عورتوں کی گواہی (بعض مسائل کتب میں)	وہ امور جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے

شہادت کا نصاب

نصابِ شہادت سے مراد وہ کم از کم تعداد و کیفیت ہے جس پر حق ثابت سمجھا جائے۔ مالی معاملات میں قرآن نے دو مردوں یا ایک مرد و دو عورتوں کی گواہی کا نصاب مقرر کیا ہے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے۔ حدود میں احتیاط کا تقاضا زیادہ ہے: زنا میں چار مرد گواہ اور دیگر حدود و قصاص میں دو مرد گواہ شرط ہیں، جبکہ حدِ قذف وغیرہ میں بھی یہی احتیاط ملحوظ ہے۔ ان امور میں جو عام طور پر مردوں کے اطلاع سے باہر ہوتے ہیں، مثلاً ولادت وغیرہ، عورتوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ اسی طرح اقرار، یعنی خود مدعا علیہ کا اپنے خلاف حق مان لینا، شہادت سے بھی مضبوط دلیل سمجھا جاتا ہے کیونکہ کوئی شخص اپنے خلاف جھوٹ نہیں بولتا، اس لیے اقرار کو سید الادلہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان نصابوں کا مقصد فیصلے کو اندازوں کے بجائے یقین کے قریب دلائل پر قائم کرنا ہے۔

دعویٰ و اثبات کا فقہی طریقہ کار

دعویٰ کسی شخص کا عدالت میں یہ مطالبہ ہے کہ اس کا فلاں حق دوسرے کے ذمے ثابت کیا جائے۔ دعویٰ کے درست ہونے کے لیے مدعی کا اہل ہونا، مطالبے کا واضح و معلوم ہونا اور مدعا علیہ کا معین ہونا ضروری ہے۔ سماعت کے بعد طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ قاضی مدعا علیہ سے جواب طلب کرتا ہے: اگر وہ اقرار کر لے تو اسی پر فیصلہ ہو جاتا ہے؛ اگر انکار کرے تو مدعی سے بیّنہ یعنی دلیل و گواہ طلب کیے جاتے ہیں؛ اگر مدعی ثبوت پیش کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ ہوتا ہے؛ اور اگر ثبوت نہ لا سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے، قسم کھا لے تو دعویٰ خارج اور قسم سے انکار کر دے تو عمومی اصول کے مطابق مدعی کے حق میں فیصلہ ہو جاتا ہے۔ تحریری دستاویزات، ماہرین کی رائے اور قرائن بھی

معاون دلائل کے طور پر زیرِ بحث آتے ہیں۔ اس پورے طریقہ کار میں قاضی ثالث و حاکم ہوتا ہے اور فیصلے کی تحریر و ریکارڈ حفاظت اس کی ذمہ داری ہے۔ موجودہ دور میں یہی اصول جدید دیوانی طریقہ کار کی بنیادوں میں جھلکتے ہیں۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی عدالتی نظام میں قاضی کی اہلیت و آداب کو فیصلے کی بنیاد بنایا گیا ہے، فیصلہ صرف دلائل پر اور مساوات کے ساتھ ہوتا ہے، اور شہادت کے لیے عدالت و نصاب کی سخت شرائط رکھی گئی ہیں۔ دعویٰ و اثبات کا طریقہ کار اقرار، بیّنہ اور یمین کے گرد ایک منظم پر قائم ہے جو سادہ بھی ہے اور مؤثر بھی۔ طالب علم کے لیے اس مطالعے کا سبق یہ ہے کہ حق کی تلاش دلیل سے ہوتی ہے، طاقت و خواہش سے نہیں، اور یہی اصول ہر دور کے عدالتی نظام کی جان ہے۔

سوال نمبر 4 (20 نمبر)

سوال: فقہِ اسلامی میں "کتاب السیر" (اسلامی بین الاقوامی قانون) کی اہمیت و افادیت بیان کریں، نیز حالتِ امن اور حالتِ جنگ میں غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ تعلقات، دار الاسلام و دار الحرب کی تقسیم اور معاہدات کے شرعی ضوابط کی تفصیلی وضاحت کریں۔ (20)

تعارف

کتاب السیر فقہِ اسلامی کی وہ شاخ ہے جو ریاستوں اور اقوام کے باہمی تعلقات کے اصول بیان کرتی ہے اور اسے اسلامی بین الاقوامی قانون کا پیش رو سمجھا جاتا ہے۔ یہ مباحث سب سے پہلے امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب السیر الکبیر میں جامع انداز میں مرتب کیے، اسی لیے انہیں بعض مغربی محققین نے بھی بین الاقوامی قانون کے اولین مصنفین میں شمار کیا ہے۔ اس سوال میں کتاب السیر کی اہمیت و افادیت، امن و جنگ دونوں حالتوں میں غیر مسلم ریاستوں سے تعلقات کے اصول، دار الاسلام و دار

الحرب کی فقہی تقسیم اور معاہدات کے شرعی ضوابط مطلوب ہیں۔ یہ ایک خالص تاریخی و قانونی مطالعہ ہے؛ موجودہ دور میں ریاستی تعلقات حکومتوں اور بین الاقوامی اداروں کے ذریعے طے ہوتے ہیں اور ان اصولوں کو اسی علمی پس منظر میں سمجھنا چاہیے۔

کتاب السیر کی اہمیت وافادیت

کتاب السیر کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اسلام نے طاقت کے استعمال اور ریاستوں کے تعلقات کو بھی اخلاق و قانون کے تابع رکھا، جبکہ اس دور کی دنیا میں جنگ و تعلقات محض طاقت کے گھمنڈ پر چلتے تھے۔ اس شاخ نے سفارت کاروں کی حرمت، معاہدوں کی پاسداری، غیر جنگجوؤں کے تحفظ اور امان کے حق جیسے اصول اس وقت دیے جب دنیا ان تصورات سے ناواقف تھی۔ اس کی افادیت آج بھی اس لحاظ سے برقرار ہے کہ یہ بین الاقوامی تعلقات کی اسلامی فکری بنیادیں فراہم کرتی ہے، جدید بین الاقوامی قانون سے تقابلی مطالعے کا مادہ مہیا کرتی ہے، اور یہ واضح کرتی ہے کہ اسلام کا اصل مقصد امن وعدل ہے اور دفاعی جنگ اس کی استثنائی صورت ہے۔ طالب علم کے لیے اس کا مطالعہ اس غلط فہمی کو بھی دور کرتا ہے کہ فقہ صرف انفرادی عبادات کا نام ہے؛ حقیقت یہ ہے کہ فقہ نے اجتماعی وعالمی زندگی کے اصول بھی اسی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

حالتِ امن میں تعلقات کے اصول

اسلام کی اصل حالت امن ہے۔ حالتِ امن میں غیر مسلم ریاستوں وافراد کے ساتھ تعلقات کے اصولوں میں تجارت، سفارت کاری، حسنِ سلوک اور عدل شامل ہیں۔ قرآن نے ان غیر مسلموں سے نیکی و انصاف کی ممانعت نہیں کی جو دین کے معاملے میں لڑتے نہیں اور گھروں سے نہیں نکالتے۔ تجارتی وفود کا آنا جانا عہدِ نبوی سے جاری رہا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو خطوط بھیج کر سفارتی تعلقات کی بنیاد رکھی؛ سفیر کو نقصان پہنچانا ممنوع قرار پایا۔ امان کا اصول اس نظام کی نمایاں خصوصیت ہے: کسی مسلمان کی طرف سے امن کی ضمانت ملنے پر اس شخص کی جان ومال محترم ہو جاتا ہے، جسے مستأمن کہتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم شہریوں یعنی ذمیوں کے جان، مال، عبادت گاہوں اور شخصی احوال کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری قرار پایا اور ان پر ظلم کی سخت ممانعت آئی۔ اسی طرح تجارت و لین دین میں ان کے ساتھ بھی وہی اصول لاگو ہوتے ہیں جو باہمی تجارت کے عمومی اصول ہیں۔

حالتِ جنگ میں تعلقات کے اصول

فقہ السیر میں جنگ کو اصل نہیں بلکہ دفاع و ظلم کے ازالے کی آخری صورت قرار دیا گیا ہے اور اس کے اعلان و انتظام کا اختیار ریاست کے سربراہ کو دیا گیا ہے، افراد یا گروہ اپنی مرضی سے اس کا اعلان نہیں کر سکتے۔ جنگ کی حالت میں کئی سخت اخلاقی ضوابط مقرر ہیں: غیر جنگجوؤں یعنی عورتوں، بچوں، بوڑھوں، عبادت گزاروں اور کسانوں و مزدوروں کو قتل کرنا منع ہے؛ درختوں و فصلوں کی تباہی اور پانی کے ذرائع کو زہر آلود کرنا ممنوع ہے؛ مثلہ یعنی لاشوں کی بے حرمتی حرام ہے؛ جنگی قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی رہائی بطور احسان یا فدیے کے اصول بیان ہوئے ہیں؛ اور مالِ غنیمت کی تقسیم کے منظم قواعد رکھے گئے ہیں۔ صلح و جنگ بندی کی پیشکش قبول کرنے کی ترغیب بھی نصوص میں موجود ہے۔ ان اصولوں کا مقصد یہ تھا کہ ناچار ہونے والی جنگ بھی ظلم و بربریت میں تبدیل نہ ہو، اور یہی اصول بعد کے بین الاقوامی انسانی قانون کے کئی تصورات سے ہم آہنگ پائے جاتے ہیں۔

جدول: امن و جنگ میں تعلقات کے اصولوں کا موازنہ

پہلو	حالتِ امن	حالتِ جنگ
بنیادی اصول	امن اصل ہے؛ تجارت و سفارت جاری	دفاع آخری راستہ؛ صرف ریاست کا اختیار
افراد کا تحفظ	امان و ذمہ سے جان و مال محفوظ	غیر جنگجو ہر حال میں محفوظ
معاہدات	طے کرنا اور مکمل پاسداری	جنگ بندی و صلح کی گنجائش و ترغیب
رابطے کے ذرائع	سفیر، خطوط، تجارتی وفود	قیدیوں سے حسنِ سلوک، غنیمت کے قواعد

دار الاسلام و دار الحرب کی تقسیم

فقہاء نے دنیا کی یہ اصطلاحی تقسیم اس وقت کے حالات کے قانونی تجزیے کے لیے وضع کی تھی۔ دار الاسلام سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں اسلامی حکومت قائم ہو، اسلامی احکام کا غلبہ ہو اور مسلمان و ذمی امن سے رہتے ہوں۔ دار الحرب سے مراد وہ علاقہ تھا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو اور مسلمانوں کے جان و مال کو امن حاصل نہ ہو۔ بیچ کی ایک صورت دار العہد یا دار الصلح بھی بیان ہوئی، یعنی وہ علاقہ جس سے اسلامی ریاست کا امن معاہدہ ہو۔ فقہاء کے درمیان کسی علاقے کے دار الاسلام سے دار الحرب بننے کی شرائط میں اختلاف منقول ہے، جس کی مشہور تفصیل کتب میں موجود ہے۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ فقہی اصطلاحات قرونِ اولیٰ کے سیاسی نقشے کی پیداوار ہیں؛ موجودہ دور میں اقوامِ متحدہ، بین الاقوامی معاہدات اور شہریت کے نظام نے ریاستوں کے تعلقات کی صورت بدل دی ہے، اس لیے آج کے فقہاء ان اصطلاحات کا مطالعہ اسی تاریخی و علمی تناظر میں کرتے ہیں اور موجودہ مسلمان شہریوں پر اپنے ممالک کے قانون و معاہدات کی پاسداری لازم قرار دیتے ہیں۔

معاہدات کے شرعی ضوابط

اسلام میں معاہدے کی پاسداری ایمان کا تقاضا ہے؛ قرآن میں عہد پورا کرنے کے بار بار احکام آئے ہیں اور معاہدہ توڑنے کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ فقہ السیر میں معاہدات کے ضوابط یہ بیان ہوئے ہیں کہ معاہدہ ریاست کے مجاز سربراہ یا اس کے نمائندے کی طرف سے ہو؛ اس کی شرائط واضح و تحریری ہوں؛ اس میں کوئی ایسی شرط نہ ہو جو قطعی شرعی حکم کے منافی ہو، کیونکہ ہر وہ شرط باطل ہے جو اللہ کی کتاب کے خلاف ہو؛ معاہدے کی مدت متعین ہو یا شرائط کی نوعیت سے واضح ہو؛ اور اگر دوسرے فریق کی طرف سے خیانت کا اندیشہ پیدا ہو تو بھی چھپ کر معاہدہ توڑنا جائز نہیں بلکہ برابری کی بنیاد پر علی الاعلان اسے ختم کرنے کی اطلاع دینی ہوگی۔ صلح حدیبیہ اس کی روشن مثال ہے جس میں بظاہر مشکل شرائط بھی قبول کی گئیں اور بعد میں اسی معاہدے کو فتحِ مبین قرار دیا گیا۔ اسی اصول کی رو سے موجودہ دور میں ریاستوں کے بین الاقوامی معاہدات اور شہریوں کے کیے گئے قانونی عہد و پیمان کی پاسداری بھی اسی شرعی ذمہ داری میں داخل سمجھی جاتی ہے۔

اختتام

حاصل یہ ہے کہ کتاب السیر اسلام کا بین الاقوامی قانون ہے جس کی بنیاد امن، عدل اور وفائے عہد ہے۔ امن میں تجارت، سفارت اور اقلیتوں کے تحفظ کے اصول، جنگ میں دفاع کی حد بندی اور غیر جنگجوؤں کی حرمت، اور دار و مسلمات کے ضوابط اسی نظام کے حصے ہیں۔ اس مطالعے سے طالب علم کو معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون فرد سے ریاست تک ہر سطح پر طاقت کو قانون و اخلاق کے تابع رکھتا ہے، اور موجودہ دور میں اس باب کا صحیح مقام تاریخی و تقابلی قانونی مطالعہ ہے۔

سوال نمبر 5 (20 نمبر)

سوال: فقہِ اسلامی میں "حظر و اباحت" کا مفہوم، قواعد اور حدود و ضوابط بیان کریں، نیز طعام و شراب، لباس و زینت اور کسبِ حلال کے بارے میں شرعی احکام و استثنائات کی تفصیلی وضاحت کریں۔ (20)

تعارف

حظر و اباحت فقہ کی وہ بنیادی بحث ہے جو بتاتی ہے کہ کون سی چیزیں انسان کے لیے ممنوع ہیں اور کون سی مباح یعنی جائز ہیں۔ روزمرہ کی زندگی کے ہزاروں امور کھانا، پینا، پہننا اور کمانا اسی دائرے میں آتے ہیں، اس لیے فقہ کی کتب کے آخر میں کتاب الحظر والاباحہ کے نام سے باقاعدہ باب رکھا گیا ہے۔ اس سوال میں پہلے حظر و اباحت کا مفہوم، اس کے مشہور قواعد اور اس کی حدود و ضوابط بیان ہوں گے، پھر طعام و شراب، لباس و زینت اور کسبِ حلال کے احکام و استثنائات کی تفصیل آئے گی۔ یہ بحث طالب علم کو یہ اہم ترین اصول سکھاتی ہے کہ اسلام میں اصل حالت اباحت ہے اور ممانعت دلیل سے ثابت ہوتی ہے، اسی اصول پر اس جواب کی عمارت قائم ہے۔

حظر واباحت کا مفہوم

حظر کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد کسی چیز کا شرعاً ممنوع و حرام قرار پانا ہے۔ اباحت کے معنی اجازت و کھلے چھوڑنے کے ہیں اور اصطلاح میں وہ چیز مباح ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے پر شریعت نے نہ حکم دیا ہو نہ ممانعت کی ہو، یعنی وہ بندے کے اختیار میں ہو۔ فقہاء کی مشہور تقسیم کے مطابق کھانے پینے اور استعمال کی چیزوں میں اصل اباحت ہے، کہ اللہ نے زمین کی چیزیں انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی ہیں، جب تک کسی چیز کی حرمت دلیل سے ثابت نہ ہو وہ حلال رہتی ہے۔ اس کے برعکس عبادات میں اصل توقف ہے، یعنی عبادت کی کوئی صورت بغیر دلیل کے مشروع نہیں ہوتی۔ یہ دو اصول فقہی زندگی کی سمت متعین کر دیتے ہیں: معاملات و اشیاء میں وسعت اور عبادات میں اتباع۔ حظر واباحت کا یہ باب اسی لیے اہم ہے کہ یہ غلو و تشدد اور بے قیدی و تساہل دونوں انتہاؤں سے بچا کر درمیانی راہ دکھاتا ہے۔

حظر واباحت کے قواعد

فقہاء نے اس باب کے چند بنیادی قواعد مرتب کیے ہیں۔ پہلا قاعدہ: اشیاء میں اصل اباحت ہے، مگر ناپاک و مضر چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ دوسرا قاعدہ: حرام کی طرف لے جانے والا ذریعہ بھی قابلِ احتیاط ہے، اسی لیے سدِ ذرائع کا اصول بیان ہوا۔ تیسرا قاعدہ: ضرورت کے وقت ممنوع چیز بقدرِ ضرورت مباح ہو جاتی ہے، جس کی بنیاد قرآن کی وہ آیات ہیں جن میں اضطراری حالت کی استثنائی صورت بیان ہوئی ہے، مگر اس کے ساتھ یہ پابندی بھی ہے کہ بغاوت و حد سے تجاوز کا ارادہ نہ ہو۔ چوتھا قاعدہ: یقین شبے سے زائل نہیں ہوتا، لہٰذا کسی حلال چیز کو محض وہم سے حرام نہیں کہا جا سکتا۔ پانچواں قاعدہ: حرام چیز کا علاج یا استعمال تخصیص کے ساتھ دیکھا جاتا ہے، اور ماہرین کی آراء و طبی ضرورت کے دائرے میں اس کی صورتیں زیرِ بحث آتی ہیں۔ چھٹا قاعدہ: جو چیز بذات خود مباح ہو مگر اس کا استعمال کسی حرام مقصد کے لیے ہو تو اس کا حکم مقصد کے تابع ہو جاتا ہے۔ یہ قواعد دکھاتے ہیں کہ فقہ ممنوعات کی فہرست کا نام نہیں بلکہ ایک متوازن اصولوں کا نظام ہے۔

حدود وضوابط

اباحت کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ انسان ہر معاملے میں آزاد ہے؛ اس کی حدود خود شریعت نے مقرر کی ہیں۔ پہلی حد یہ ہے کہ نص سے ثابت شدہ حرام ہر حال میں حرام رہے گا، عرف یا خواہش اسے حلال نہیں کر سکتی، مثلاً مردار، خون، خنزیر اور شراب کی حرمت نصی ہے۔ دوسری حد ضرر کا اصول ہے: مباح چیز بھی اگر جان یا صحت کے لیے یقینی مضر بن جائے تو اس سے بچنا لازم آتا ہے، کیونکہ خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت نص میں موجود ہے۔ تیسری حد اسراف و فضول خرچی کی ممانعت ہے؛ مباح کھانا بھی حد سے بڑھے تو گناہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ چوتھی حد دوسروں کے حقوق ہیں؛ کسی کی چیز بلا اجازت استعمال کرنا مباح نہیں ہو سکتا۔ پانچویں حد یہ کہ شک و شبہ والی چیزوں میں احتیاط تقویٰ کا تقاضا ہے، حدیث کے مفہوم کے مطابق حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور درمیان میں مشتبہ امور ہیں جن سے بچنے والا اپنے دین و عزت کو بچا لیتا ہے۔ اس طرح اباحت ایک منضبط آزادی ہے، بے قیدی نہیں۔

طعام و شراب کے احکام و استثنائات

طعام میں اصل حلال ہونا ہے اور قرآن نے طیب یعنی پاکیزہ چیزیں کھانے کی ترغیب دی ہے۔ صراحتاً حرام کھانوں میں مردار، بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور شامل ہیں، ذبیحے کے لیے تذکیہ یعنی شرعی ذبح کی شرائط بیان ہوئی ہیں۔ گھریلو جانوروں جیسے گائے، بکری اور مرغی کا حلال ہونا معلوم ہے، جبکہ شکار کرنے والے درندوں و پنجے والے پرندوں کی ممانعت احادیث سے بیان کی جاتی ہے، اور بعض جانوروں، مثلاً پالتو گدھے، کی ممانعت بھی منقول ہے، جبکہ بعض سمندری مخلوق و ٹڈی وغیرہ کے بارے میں استثنائی اجازتیں احادیث میں ذکر ہوئی ہیں۔ شراب یعنی ہر نشہ آور چیز حرام ہے، چاہے اس کا نام و صورت کوئی ہو، اسی علت پر فقہاء نے دیگر نشہ آور اشیاء کو بھی اسی حکم میں شامل کیا ہے۔ استثناء صرف اضطراری حالت کا ہے کہ جان بچانے کے لیے اور کوئی صورت نہ ہو تو بقدرِ ضرورت کی گنجائش نص میں بیان ہوئی ہے، اسی طرح تجارتی و طبی استعمال کی مخصوص صورتوں میں فقہاء کی تفصیلی آراء موجود ہیں جن کا فیصلہ انفرادی معاملات میں اہلِ علم پر چھوڑنا چاہیے۔

لباس وزینت کے احکام واستثنائات

لباس کے بنیادی مقاصد ستر پوشی، سردی گرمی سے حفاظت اور زینت ہیں اور قرآن نے لباس کو اللہ کی نعمت قرار دیتے ہوئے تقویٰ کے لباس کو بہترین کہا ہے۔ مردوں کے لیے خالص ریشم پہننا اور سونا زیب تن کرنا ممنوع بیان ہوا ہے، جبکہ خواتین کے لیے ان دونوں کی اجازت ہے، یہ اس باب کا مشہور استثنائی فرق ہے۔ لباس میں ستر کی حدود کی رعایت سب پر لازم ہے، ایسا باریک یا تنگ لباس جو ستر ظاہر کرے ممنوع ہے۔ مردوں کا عورتوں اور عورتوں کا مردوں کی مشابہت اختیار کرنا بھی ممانعت میں آتا ہے۔ تکبر و فخر کے اظہار پر مبنی لباس، مردوں کے لیے ٹخنوں سے نیچے تکبر اً لٹکانا، اور ریائی نمائش انکار کی گئی ہے۔ زینت میں خوشبو کا استعمال مستحسن ہے، جبکہ مستقل صورت گری یعنی آج کی اصطلاح میں مستقل ٹیٹو وغیرہ اور دھوکے پر مبنی تبدیلیاں فقہاء کے ہاں زیر بحث ممنوعات میں آتی ہیں۔ طبی ضرورت، مثلاً جنگی زخم یا بیماری کی وجہ سے ریشم کی اجازت جیسی استثنائی صورتیں بھی احادیث میں مذکور ہیں جو بتاتی ہیں کہ ضوابط کے اندر ضرورت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

کسبِ حلال کے احکام واستثنائات

کسب یعنی روزی کمانا نہ صرف مباح بلکہ عبادات کے بعد فرائض کی ادائیگی کے وسائل میں سے ہونے کی وجہ سے مطلوب ہے، اور حدیث کے مفہوم کے مطابق سچا و امین تاجر انبیاء و صدیقین کے ساتھ ہو گا۔ حلال کسب کی بنیاد یہ ہے کہ ذریعہ جائز ہو، عقد شفاف ہو اور کسی کا حق نہ مارا جائے۔ حرام کسب کی نمایاں صورتیں سود، جوا، رشوت، چوری و ڈاکا، دھوکے کی تجارت، ممنوع اشیاء مثلاً شراب و خنزیر کی خرید و فروخت، غصب اور ناحق کھانا ہیں، جن کی ممانعت نصوص میں آئی ہے۔ اس کے ساتھ کم تولنا، ملاوٹ، جھوٹی قسمیں اور اجرت میں مزدور کا استحصال بھی ممنوع کسب میں شامل مباحث ہیں۔ استثنائات میں یہ بات اہم ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ جائز تجارت مباح ہے، مشتبہ مال کے بارے میں فقہاء نے تحقیق و احتیاط کی تفصیلات لکھی ہیں، اور ملا جلا مال یعنی جس میں حلال غالب ہو اس کی صورتیں بھی زیر بحث آئی ہیں، جن کا انفرادی اطلاق اہلِ علم کے مشورے سے ہونا چاہیے۔ کسبِ حلال کی برکت یہ ہے کہ اس سے ادا کی گئی عبادت و صدقہ قبولیت کے قریب ہوتا ہے، اسی لیے طلبِ حلال کو جہاد سے تشبیہ دینے والی روایات بیان کی گئی ہیں۔

جدول: حظر واباحت کا خلاصہ

شعبہ	اصل اصول	نمایاں ممانعت	مشہور استثناء
طعام و شراب	طیب اشیاء حلال ہیں	مردار، خون، خنزیر، نشہ آور اشیاء	اضطراری حالت میں بقدرِ ضرورت
لباس و زینت	ستر و زینت مطلوب ہے	مردوں کے لیے ریشم و سونا؛ مشابہت	طبی ضرورت پر ریشم کی اجازت
کسب	حلال تجارت مطلوب ہے	سود، جوا، رشوت، دھوکہ	مشتبہ امور میں تحقیق و احتیاط

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ حظر و اباحت کا اصول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور حرمت دلیل سے ثابت ہوتی ہے، مگر یہ اباحت نصِ ضرر، اسراف اور حقوقِ عباد کی قیود سے منضبط ہے۔ طعام میں طیب حلال اور خبیث حرام ہے، شراب علتِ نشہ کی وجہ سے ممنوع ہے، لباس میں ستر و اعتدال اصل ہے اور کسب میں حلال ذرائع لازم ہیں، جبکہ ضرورت و اضطرار کے استثنائات بھی اسی نظام کا حصہ ہیں۔ اس مطالعے سے طالب علم کی زندگی میں سب سے عملی سبق یہ ملتا ہے کہ تقویٰ حلال پر قائم رہنے اور مشتبہ سے بچنے کا نام ہے۔